اس کے بعد خون آشام کلائیوں کو کہنیوں تک پھیرتے ہوئے فرمایا کہ میں نمازِ عشق کے لیے وضو کر رہا ہوں، کیونکہ نمازِ عشق کے لیے خون سے ہی وضو کیا جاتا ہے۔

پھر جلاد نے آنکھیں نکال کر زبان کاٹنے کا قصد کیا، تو حلاج نے فرمایا: "ٹھہرو! مجھے ایک بات کہہ لینے دو۔"

پھر اونچی آواز میں بولے: "اے اللہ! میرے ہاتھ تیری راہ میں قطع کر دیے گئے۔ آنکھیں نکال دی گئیں اور اب سر بھی کاٹ دیا جائے گا، لیکن میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھے ثابت قدم رکھا۔ اب میں تیرے حضور ایک التجا کرتا ہوں کہ ان سب لوگوں کو بھی وہی دولت عطا فرما جو مجھے عطا فرمائی ہے، کیونکہ یہ سب شریعت کی حفاظت کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں اور شریعت کی حفاظت ہر حال میں بے حد ضروری ہے۔"

پھر جب دوبارہ سنگساری شروع ہوئی، تو آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے: "واہ وا — سبحان اللہ! یکتا کی دوستی بھی یکتا کر دیتی ہے۔"

کسی بزرگ نے مشائخین سے فرمایا کہ جس رات منصور کو دار پر چڑھایا گیا تو میں صبح تک سولی کے نیچے مشغولِ عبادت رہا، جس وقت دن نمودار ہوا، تو ہاتف نے یہ ندا دی: "ہم نے اپنے رازوں میں سے ایک راز کو اس پر مطلع کر دیا تھا، جس کو اس نے ظاہر کر کے یہ سزا پائی۔ اور یہ درست ہوا کیونکہ شاہی راز کو افشا کرنے والے کا یہی انجام ہوتا ہے۔"

اور مسعود پوچھ رہا تھا: "کیوں یارو! ... بولو! ... بتاؤ! ... بھید کھولنے کی سزا ہوتی ہے یا نہیں ... کیوں عماد! ... کیوں مفتی! ... شاہ جی!"

لیکن ہم اس کی بات کا جواب دیے بغیر سر جھکائے چل رہے تھے، کیونکہ ہمارے پاس نہ کوئی راز تھا نہ افشا تھا نہ سزا تھی۔

آسمان کے اوپر سرمئی بادلوں کی گہری تہہ تھی اور اس کے نیچے دھند کا طوفان سا آیا ہوا تھا۔ عماد ابھی تک غصے میں تھا اور اس سے اچھی طرح سے بات نہیں ہو رہی تھی۔ مسعود بھی بڑبڑا رہا تھا اور اعظمی بھی شکایت کر رہا تھا۔ میرے دل پر بھی بڑا بھاری بوجھ تھا، لیکن میں خاموش تھا۔ مفتی ہم سب کو تسلی دینا چاہتا تھا، لیکن اس کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ کوہستانی ہم سب کو اس حالت میں

دیکھ کر اندر سے خوشی کا اظہار کر رہا تھا اور اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ ہمارے ساتھ چلتے ہوئے سامنے نہیں دیکھ رہا تھا، بلکہ یوں لگتا تھا جیسے اس کی گردن اس کے بائیں کندھے پر لگی ہو اور اس کا چہرہ ہماری طرف پیچھے بن کر اُٹھا ہوا ہو۔

عماد نے ایک مرتبہ پھر تڑپ کر کہا: "کیا تھا! مر جاتے! ڈوب جاتے! غرق ہو جاتے!"

"دیر ہو رہی تھی۔" لیڈر نے کہا۔ "اور اندھیرے میں راستہ بھول جانے کا اندیشہ تھا۔ مجبوری تھی عماد!"

"راستہ بھول جاتے تو کیا قیامت آ جاتی راستہ بھول کر۔" مسعود نے غراتے ہوئے کہا: "اب نہیں راستہ بھول سکتے!"

"ابھی تو روشنی ہے اور واپس ہوٹل تک پہنچتے پہنچتے کم و بیش اسی طرح رہے گی۔" لیڈر نے جواب دیا۔ "اور ہم گرم پانی کی بالٹیوں میں نمک ڈال کر کچھ دیر اپنی تکان دُور کر سکیں گے۔ وہاں بیٹھتے تو بہت دیر ہو جاتی مسعود!"

"اور میں جو کہ رہا تھا کہ رات یہیں گزار لیتے ہیں۔" عماد نے کہا۔

"اور میں نے جو وہ کھوہ ڈھونڈ لی تھی جس کے اندر اخبار بچھے تھے۔" غلطی نے کہا۔

"تو پھر اس نے روک دیا ناں بھائیو!" مفتی نے اپنی سواری کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس نے، تمہارے اس کوہستانی نے۔"

"بالکل ٹھیک روکا صیب! اُدھر رات کے وقت نہیں ٹھہرا کرتے صیب! یہ پری لوگ اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہیں۔ نہ پوچھیں، تو بالکل نہ پوچھیں۔ سالوں سال گزر جائیں۔ اگر غار بند کر دیں اور کھوہ کے آگے کھڑا کام پڑھ دیں... تو... بس... پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"اوئے چھوڑ یار... پریاں۔" عماد نے جل کر کہا۔ "دیکھی ہوئی ہیں میری... یہ پریاں!"

"میرا اندازہ ہے۔" مسعود بولا۔ "ہم سیدھا ڈیڑھ گھنٹہ تک اور وہاں رُک سکتے تھے اور ایک پون گھنٹے میں بڑی آسانی سے واپس اپنی منزل تک پہنچ سکتے تھے۔ اب تو ڈھلان ہی ڈھلان ہے۔"

مفتی نے کہا: "میرے لیے تو ہر دو لنت ہے۔ اس وقت واپس نیچے کو جاتے ہوئے میری دونوں جانگھوں کے اندر ان خوابیدہ پٹھوں کو کھینچ پڑنے لگی ہے جن پر گزشتہ ستائیس سال سے کسی قسم

کا بوجھ نہیں پڑا تھا۔"

مسعود نے کہا: "کیا خوبصورت نیلا کلر تھا ٹھنڈے پانیوں کا۔"

"نہیں صیب نیلا نہیں تھا۔" کوہستانی نے کہا: "بجلی سلیٹی تھا۔ پریوں کے ملک کا پانی ہمیشہ بجلی سلیٹی ہوتا ہے۔"

"اچھا بھلا ایک ریسٹ ہاؤس بھی تھا وہاں۔" عماد نے غصے اور غم کے لہجے میں تقریباً رو کر کہا۔

"وہ ہے صیب پر اس کا دروازہ نہیں کھلتا۔"

"کیوں؟ دروازہ کیوں نہیں کھلتا اس کا۔" اعظمی نے پوچھا۔

"بس جی! نہیں کھلتا صیب! کوئی اللہ کی حکمت ہے۔"

"تو اس میں کوئی نہیں ٹھہرتا۔" اعظمی نے پوچھا۔

"ٹھہرتا ہے صیب! ٹھہرتا کیوں نہیں... جب بنایا ہے تو ہر ایک ٹھہرتا ہے۔"

"اس کو چھوڑو یار!" مفتی نے اپنی کنپٹی پر انگلی بجا کر کہا: "ہی از نٹس۔"

"تم پہلے بھی کبھی یہاں آئے ہو خان؟" عماد نے پوچھا۔

"ہاں جی صیب! سارے لوگ آتے ہیں۔"

"سارے لوگ کی بات چھوڑو!" مسعود نے کہا: "اپنی بتاؤ۔ تم اس سے پہلے بھی کبھی یہاں آئے؟ بجلی سلیٹی پانی دیکھنے کہ آج ہمارے ساتھ ہی آئے؟"

"ہاں جی!"

"اوئے 'ہاں جی' کوئی جواب ہے بدبخت!" لیڈر نے جل کر کہا: "یہ بتاؤ کہ اس سے پہلے بھی کبھی یہاں آئے ہو کہ نہیں!"

"آتے ہی رہتے ہیں صیب!"

"تم آئے تھے کہ نہیں؟"

"کس کے ساتھ صیب؟"

"کسی کے ساتھ ضروری نہیں۔ ادھر آئے تھے کہ نہیں؟ کسی کے ساتھ یا اکیلے!"

"ادھر تو سب ٹولی ٹولی میں آتا ہے صیب!"

"تم بھی ٹولی میں آیا تھا؟"

"ہاں جی!"

"یا اکیلا آیا تھا؟"

"اچھا جی!"

"اعظمی نے کہا: "یار کیوں اپنا دماغ خراب کرتا ہے اور ساتھ ہمارا بھی۔ اس کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہم کیا پوچھ رہے ہیں!"

"اور میں اس بات پر حیران ہوں کہ پوچھ کیوں رہے ہیں؟" مفتی نے جھلا کر کہا۔

عماد نے کہا: "ابھی تھوڑی دیر اور وہاں بیٹھ لیتے، تو کیا ہو جاتا۔ چاندنی رات تھی، اگر ہم دس گیارہ بجے کے بعد بھی چلتے تو بھی ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس پہنچ جاتے، لیکن اس بداصل لیڈر نے ہمیں کچھ دیکھنے بھی نہ دیا۔"

"مسعود نے کہا: "اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ وہاں کیا تھا اور کون کس طرف تھا اور کون سی جگہ، کہاں تھی، تو میں کچھ بھی نہ بتا سکوں گا۔"

"اتنے قریب پہنچ کر بھی قربت کا احساس نہ ہو مفتی، تو کتنا بڑا اخلارہ جاتا ہے۔" اعظمی نے کہا۔ "یہ ہم سب کو ہو گیا تھا بھلا!"

"کچھ نہیں ہوا تھا بس اس لیڈر نے تباہ کیا۔" عماد بولا۔ "میں تم لوگوں سے کہہ رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ ابھی نہ جاؤ، ابھی نہ جاؤ، لیکن تم نے میری سنی ہی نہیں مفتی جی بھی لیڈر کے پیچھے لگ گئے۔ چھوٹے بچے کی طرح۔"

"میری کون سنتا ہے بھائی۔" مفتی نے کہا۔ "مجھے کون پوچھتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" مسعود نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ "مجھے تو یقین نہیں آرہا... اور اب تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا..." پھر وہ تھوڑی دیر رک کر بولا۔ "تم کو وہ اخبار کہاں دکھائی دیے تھے؟"

"کون سے اخبار؟" اعظمی نے پوچھا۔

"وہی جو تم نے کھوہ میں بچے دیکھے تھے؟"

"کون سی کھوہ؟" اعظمی نے پوچھا۔

"وہی جس کا تم ابھی ذکر کر رہے تھے۔"

"میں نے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔" اعظمی سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں شاہ جی!" مسعود نے میری طرف گھوم کر کہا۔ "اس نے ابھی کہا نہیں تھا کہ ایک کھوہ کے اندر اخبار بچھے تھے۔"

میرے جواب دینے سے پہلے کوہستانی بول اٹھا:

"اس صیب نے کیا تھا ذکر! لیکن جی میں نے نہیں دیکھا کچھ اخبار مخبار... مجھے تو مالوم بھی نہیں کھوہ کدھر تھا؟"

"تم ہمارے ساتھ نہیں تھے؟" عماد نے پوچھا۔

"میں تو ہر وقت ساتھ ہوتا ہوں صیب!" کوہستانی نے کہا۔ "ہم تو مزدور اے جی... خزمت کرنے والا... ہم تو صیب لوگوں کے پیچھے پیچھے رہتا ہے ہر وقت۔"

"لیکن اس وقت تو تم نہیں تھے جب ہم ریسٹ ہاؤس کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔" اعظمی نے کہا۔

"ہم تو دیکھ رہا تھا ناں صیب!" کوہستانی نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم تو نہیں تھے ہمارے ساتھ جب ہم چابیاں ٹرائی کر کے دیکھ رہے تھے۔" مسعود ذرا تلخ لہجے میں بولا۔

"نہیں صیب! ہم دیکھ رہا تھا، بالکل دیکھ رہا تھا صیب! اس صیب کی چابی سب سے اچھی لگی تھی۔" اس نے عماد کی طرف اشارہ کیا۔ "تھوڑا کسر رہ گیا تھا گھلنے میں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہے؟" عماد نے چونک کر پوچھا۔

"ہم نوکر آدمی ہے صیب، خزمت کرنا ہمارا کام ہے۔"

"لیکن تم وہاں موجود تو نہیں تھے خان!" عماد نے مزید حیران ہو کر کہا۔ "ہم نے تو تم کو ارد گرد نہیں دیکھا تھا۔"

"آپ کیسی باتیں کرتا ہے صیب! ہم تو آپ لوگوں کا خزمتی ہے... ہم کدھر جائے گا جی!"

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ حضورؐ کا جُبّہ مبارک اور گودڑی لے کر حضرت اویس قرنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے عرض کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہم یہ ملبوس مُطہّر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔ مقامِ شکر ہے کہ اپنے آقا و مولا کا حکم بجالانے کو ہم یہاں پہنچے اور مقامِ فخر ہے کہ ہم نے اپنی ان آنکھوں سے اور اتنا قریب سے آپ کی زیارت کی۔

سرتاجِ عاشقاں حضرت اویس قرنی اس وقت اُونٹ کے بالوں کا ایک لمبا سا کرتہ پہنے تھے۔ وہ اپنی بھیڑوں کا گلّہ ایک چھوٹی سی پہاڑی کی جھاڑی میں چھوڑ کر ان خوش بخت سفیروں کی پذیرائی کو آئے تھے۔ انہوں نے سرمایۂ عظیم کو کہ اس کی بہا ساری کائنات میں کہیں بھی نہ تھی، پہلے اپنے ماتھے سے لگایا، پھر اپنی آنکھوں سے اور پھر دیر تک اسے چُومتے اور اس پر اپنی پیشانی ملتے رہے۔ حتّٰی کہ وہ مبارک گُدڑی آنسوؤں سے تر ابز ہو گئی۔

پھر آپ نے اس متاعِ گراں بہا کو اپنی کہنیوں تلے سینے سے چمٹا لیا۔ ایک مرتبہ پھر اس صاحبِ سرگدڑیے نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر دستِ خیبر شکن ان میں لے لیا اور اپنے کپکپاتے ہونٹوں سے اُسے بوسے دیتا رہا، پھر اسی طرح اُنہوں نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اپنا ماتھا اس پر رکھ دیا۔

کافی دیر تک یہ تینوں عاشق ایک مثلث کے نقطوں پر آمنے سامنے اسی طرح ساکت اور جامد کھڑے رہے اور صحرا کی باریک بھُوری اور شفاف ریت اُن کے درمیان سے گزرتی رہی۔ پھر یمن کے عاشق نے سر اُوپر اُٹھایا اور مدینے کے سفیروں سے پُوچھا:

"آپ تو محبُوبؐ کے قریب رہے ہیں اور بہت ہی قریب رہے ہیں اور دن رات قریب رہے ہیں مجھے یہ فرمایئے کہ حضورؐ کے ابرُو مُبارک کس انداز کے تھے؟"

جاں نثارانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حیرت سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور ادب سے خاموش رہے۔

پھر سرتاجِ عاشقاں نے حضورؐ کے چہرۂ اقدس کی تفصیلات بیان کرنا شروع کیں اور رفیقانِ رسولؐ وہیں کھڑے کھڑے تبسمِ مبارک ملاحظہ فرماتے رہے۔

جب آپ خاموش ہو گئے، تو حضرتِ عمرؓ نے جُرأت کر کے پُوچھا:

"سیّدنا! آپ تو حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں تشریف نہیں لا سکے۔ اور آپ نے تو اُنہیں ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا، پھر آپ کس طرح انؐ کے رُخِ مبارک کے خدوخال کی تفصیلات بیان فرما رہے ہیں"

حضرت اویس نے اپنی سفید لمبی داڑھی جُبّہ مبارک سے ملتے ہُوئے کہا:

"آپ حضرات نے حضورؐ کو "ہونے" کے مقام پر دیکھا۔ ہم اور میں نے "نہ ہونے" کے مقام پر محبُوب کی خدمت میں اپنی رُوح کو حاضر رکھا ہے۔ آپ خوش نصیب تھے کہ نعمت ہر وقت آپ کے رُوبرو تھی۔ ہم دُور تھے اور قُرب کی دید سے محروم تھے اور خوش نصیب اور محروم میں یہی فرق ہوتا ہے کہ محروم ہر وقت نعمت کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اور اس کے لیے حریص رہتا ہے۔ "نہ ہونے" کے مقام پر دیکھنے والے کی صرف آنکھیں ہی نہیں کھلتیں، اس کا سارا وجود طلب بن جاتا ہے"

مفتی کہہ رہا تھا:

"یار! تم لوگوں نے کیا بکھیڑا ڈالا ہُوا ہے... کیوں بچّوں کی طرح لڑ رہے ہو۔ کسی نے تمہارا امتحان تو نہیں لینا کہ کیا دیکھا اور کیا نہیں دیکھا۔ کسی نے انٹرویو تو نہیں کرنا!"

"انٹرویو تو نہیں کرنا مفتی جی، لیکن کم از کم وہاں بیٹھتے تو سہی، قریب ہو کر" عماد نے کہا۔

"تمہارا خیال ہے قریب ہو جانے سے گیان حاصل ہو جاتا ہے۔ دید ہو جاتی ہے" مفتی نے سڑ کر کہا۔ "آگہی مل جاتی ہے"

"اور ایسے ہی لوٹ آنے سے جھنجھنا مل جاتا ہے" مسعود نے کہا۔ "فوٹو پرنٹ مل جاتا ہے!"

"تم لوگوں کی دوڑ فوٹو پرنٹ سے آگے جا ہی نہیں سکتی" مفتی نے جھلا کر کہا۔ "تم لوگوں کے ذہنوں پر فوٹو سٹیٹ کا قبضہ ہو گیا ہے اور فوٹو سٹیٹ مشین نے ہم سب پر کشف کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ اس نے ہمیں حق الیقین کی نعمت سے محروم کر دیا ہے۔ جتنی جتنی ایک شہر میں فوٹو سٹیٹ مشینیں بڑھتی ہیں، اُسی قدر وہاں مس ٹرسٹ بڑھتا ہے۔ بے اعتمادی، بے تمیزی اور بے اعتمادی بڑھتی ہے۔ لوگوں کے اندر شک پیدا ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز کی مصدقہ نقل مانگتے

ہیں اور جہاں شک پیدا ہو جائے وہاں خوف کے پنجے اور گھرے گڑ جاتے ہیں۔ کیوں تم ہر چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر تسلی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیوں یہ سمجھتے ہو کہ... اگر کسی وجہ سے..."

مسعود نے مفتی کی بات نیچ ہی میں کاٹ دی۔ اس کو بھی غصہ آگیا اور غصے کے ساتھ اس کی زبان بھی کھل گئی۔ اس نے لڑک کر کہا:

"اس لیے کہ امپیریکل میتھڈ کا تقاضا ہی یہی ہے ۔۔ سائنٹیفک طریق ہے ہی یہی۔ آنکھوں سے دیکھے بنا اور قریب سے دیکھے بنا اور غور سے دیکھے بنا کوئی کس طرح سے مان سکتا ہے کہ یُوں بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوئے گدھو! کتّو! اوئے بے حیاؤ!!! شرم کرو" مفتی نے کہا۔ "جب تم کوئی چیز آنکھ سے دکھاتے ہیں، تو کہنے لگتے ہو، یہ تو نظر کا دھوکا ہے۔ اشتباہِ نظر ہے۔ یہ چوبیس ساکن فریم فی سیکنڈ گزر رہے ہیں، تو پردۂ سیمیں پر تصویر متحرک دکھائی دیتی ہے، نہیں تو ساکن ہے۔ یہ جو ٹی وی سکرین پر رنگ دار لڑکی بیٹھی ہے، لڑکی تو نہیں، چھ سو پچیس لائنیں ہیں، بہت سے نقطے ہیں، چھوٹے چھوٹے لڑکی تو نہیں۔ آسمان میں دن کے وقت تارے نظر نہیں آتے، تو تارے ہیں ہی نہیں... لعنت ہو تم پر... گویا جس چیز کا تمہیں مشاہدہ نہیں وہ ہے ہی نہیں۔"

مفتی کے مُنہ سے جھاگ نکل رہا تھا اور وہ بُڈھے بیل کی طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کے غصے اور کرب کو دیکھ کر کوہستانی مفتی کے قریب آگیا اور انگلی اُٹھا کر کہنے لگا:

"بالکل ٹھیک صیب! شاباش... آپ بالکل ٹھیک کہتا ہے، سولہ آنے.... شاباش!"

مفتی نے چڑ کر کہا:

"اچھا اچھا خان! ٹھیک ہے، مہربانی، شکریہ۔"

لیڈر نے سوٹی اُوپر اُٹھا کر کہا:

"واپسی پر ہر ممبر کو سالوبل اسپرین کی ایک ایک گولی، ملٹی وٹامن کا ایک کیپسول اور وٹامن سی کی ایک ایک گولی کھانی ہوگی۔ یہ ڈرل ابھی سے سُن لو۔ کھانا! کھانے کے بعد بتائی گئی گولیاں۔ گولیوں کے بعد نمک اور سرکہ ملے گرم پانی میں پنڈلیوں تک ٹانگیں ڈبو کر بیٹھنا اور اس

کے آدھ گھنٹہ بعد رضائی لپیٹ کر اور مُنہ باہر نکال کر سو جانا۔ اور صبح جب تک میں نہ اُٹھاؤں لیٹے رہنا۔"

ہم میں سے ہر ایک نے لیڈر کی ہدایات کو بغور سُنا، لیکن اُسے یہی امپریشن دیا کہ کسی نے اس کی بات نہیں سُنی اور کسی نے اس کی موجودگی کو محسوس نہیں کیا۔

مسعُود عماد کی کہنی پکڑے اس کے ساتھ کُھسر پُھسر کرتا جا رہا تھا اور اُسے سمجھا رہا تھا:

"جو شخص بغیر کسی ایڈ کے یا آلے کے یا فنّی سہارے کے لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کر لے، اور اُس کو آنے والے واقعات کا پہلے سے علم ہو جائے، وہ صاحبِ حال ہوتا ہے۔ وہی زمانے کی آنکھ کا تارا بن کر چمکتا ہے اور اسی کو اقبال نے رموزِ بے خودی میں کہا ہے ... کہ ... اگر ..."

لیکن اس بے چارے کا فقرہ بیچ میں رہ گیا جب مفتی نے کڑک کر کہا:

"کیا بک رہا ہے، کیا سمجھا رہا ہے اور کس کو سمجھا رہا ہے اور کیوں غلط سمجھا رہا ہے۔"

"میں صاحبِ حال کی بابت بتا رہا ہوں مفتی!" مسعُود نے خفت ٹالتے ہوئے کہا۔ "وہی جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ..."

لیکن مفتی نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی اور گرج کر کہا:

"تجھے کیا پتہ صاحبِ حال کیا ہوتا ہے۔ تجھے تو یہ بھی معلُوم نہیں کہ بیر کا پیندا کدھر ہوتا ہے اور چلا ہے صاحبِ حال کی بابت سمجھانے۔"

"شاباش!" اعظمی نے چمک کر کہا۔ "سالا لوگ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ایک صاحبِ حال ساتھ جا رہا ہے اور اس کی وجہ سے راستہ روشن ہے۔ مگر یہ خواہ مخواہ میں جھگڑ رہا ہے بدبخت لوگ ... دیکھو تو" اس نے مفتی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "دیکھو کون جا رہا ہے ہمارے ساتھ۔ ذرا غور تو کرو۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔"

"تم بھی بکواس بند کرو اپنی" مفتی نے جھڑک کر کہا۔ "اور اس میراث گیری سے ہم کو نجات دو۔ بہت کچھ سُن لیا ہم نے تم سے۔ نا وُ شٹ اپ۔"

لیڈر بوزنے کی طرح سونٹے سے اپنی کمر کھجا رہا تھا اور بے چین تھا۔ اس نے حوصلہ کر کے

قدرے بلند آواز سے کہا:

"تم بتاؤ شاہ جی! تم تو بزرگانِ دین کے پاس اُٹھنے بیٹھنے کے دعوے کرتے رہے ہو۔ تم سمجھاؤ۔"

"اس کو کیا پتہ دست بستیے مُلاّ کو۔" مفتی نے کہا۔ "یہ تو بھیڑ چال کا ایک لیلا ہے جو فینچی لگوانے کے لیے اپنی پشم پال رہا ہے اور بزرگوں سے گیٹ پاس لے کر انٹرول کے بعد جنت میں جانے کے پلان بنا رہا ہے۔"

"سنو!" مفتی کڑک کر بولا۔ "صاحبِ حال کوئی بزرگ نہیں ہوتا۔ کوئی پہنچا ہوا ولی یا کوئی صاحبِ کرامت پیر نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ کسی خاص مقام پر ہوتا ہے۔ ٹیک لگا کر اور آسن جما کر۔ بلکہ وہ ہونے اور نہ ہونے کے مقام سے یکساں طور پر گزر رہا ہوتا ہے۔ صاحبِ حال میرے ساتھیو! صاحبِ مشاہدہ نہیں ہوتا کہ تم اسے بزرگ سمجھنے لگو۔ نہ ہی اس پر کوئی واردات گذر رہی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی خاص تجربے کا نمونہ ہوتا ہے۔"

مفتی کی یہ بات سُن کر ہم سب کے مُنہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور ہم اُسے غور سے دیکھنے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا:

"صاحبِ حال کوئی مٹی کا مادھو نہیں ہوتا۔ جذبات سے عاری۔ بے ضرر یا بے آزار، لینوں سا انسان! وہ ایک بیدار شخص ہوتا ہے! چوکس، خبردار، ہر وقت موجود، ہر آن حاضر! اس کی راہ میں نام و نمود، عزّت و شہرت، حیثیت و منصب۔ کچھ بھی حائل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ سب چیزیں تو اس کے راستے کی دُھول ہوتی ہیں جن پر چل کر وہ حال تک پہنچا ہوتا ہے۔ وہ تو بڑا گرم مزاج، تُند خُو اور کٹیلا ہوتا ہے۔ پنجہ مار کر دھکیلنے یا الٹنے والا ایرو بی کا شیر۔ تیسری آنکھ سے دیکھنے والا اینٹا صفت زرافہ! یہی تو وجہ ہے کہ صاحبِ حال پہنچے ہوئے لوگوں اور صاحبِ کرامت بزرگوں کو ہمیشہ ناگوار گزرتا ہے۔"

ہم اپنی اپنی جگہ ساکت و صامت ہو گئے اور ہمیں یاد بھی نہ رہا کہ ہم کون سی جگہ پر کھڑے تھے! اس وقت کیسا سماں تھا۔

مفتی کہہ رہا تھا:

"صاحبِ حال صرف اُن لوگوں کو نظر آتا ہے جو سمجھے ہُوئے ہوتے ہیں۔ جنہوں نے گل سمجھ لی ہوتی ہے اور جن کے اندر کا رولا مٹ چُکا ہوتا ہے۔ صاحبِ حال کسی دُوسرے آدمی سے مختلف نہیں ہوتا اور ہو بھی کیوں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ دُوسروں سے مختلف نظر آنے کے لیے کچھ نمایاں خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی خصوصیات جن پر کھٹ سے نظر پڑے۔ جھٹ سے چونکائیں اور اپنی طرف متوجّہ کریں، لیکن صاحبِ حال میں نظر آنے والی تو کوئی خُوبی ہوتی ہی نہیں اور چونکہ اس میں کوئی خوبی نہیں ہوتی، اسی لیے وہ صاحبِ حال ہوتا ہے۔"

ہم سب نے نظریں گھما کر ایک دُوسرے کی طرف دیکھا، تو مفتی نے کہا:

"وہ تو ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے اس نے زندگی سے کچھ سیکھا ہی نہ ہو۔ اس سے ہر طرح کی حماقت سرزد ہو سکتی ہے۔ وہ ہر طرح کی ناتجربہ کاری کا، نادانی کا متحمل ہو۔ بے شعور، سادہ لوح اور سادہ خاطر ہو۔ ہر کمی اور ہر کوتاہی کا شکار نظر آتا ہو اور معمولی بے معنی اور لایعنی کا صحیح ادراک رکھتا ہو۔ اصل بات اس کی سمجھ میں آگئی ہو کہ معمولی، ادنیٰ، لاشے اور لاامکان ہی حقیقت ہے اور بے حقیقتی ہی اصل اور امرِ واقع ہے۔ جس چیز کا تت نکالو گے اور جس قدر گہرے جاؤ گے، آخر میں اُس کے معمولی، ادنیٰ اور حادث ہونے کا یقین ہی حاصل ہوگا۔ جس قدر گمبھیر آواز میں اعلان کرو گے، اُسی قدر ناپائیدار، سرسراتی، آنی جانی اور منمنی آواز میں ہی جواب ملے گا۔ اور میرے پیارے دوستو! حقیقتیں کوئی آسمان کے تارے نہیں ہیں، وہ بھی معمولی اور حادث کی حاصل ضرب ہی ہیں۔ بے حقیقتی کی جمع تفریقیں ہی ہیں۔" مفتی بتا رہا تھا "حقیقت کا کوئی خصوصی منصب نہیں ہوتا۔ کوئی سُندر کلٹ نہیں سجا ہوتا اس کے سر پر۔ سچ کے آگے کسی قسم کا "باادب باملاحظہ ہوشیار!" نہیں ہوتا۔ سچ تو بس معمولی اور لایعنی اور آنی جانی کی آگہی ہوتا ہے اور یہی آگہی رکھنے والا شخص صاحبِ حال ہوتا ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ صاحبِ حال کی تلاش مشکل ہے۔ یہ کہیں ملتا نہیں اور جب یہ ملتا نہیں تو اس کے ہاتھ پر بیعت کس طرح سے کی جا سکتی ہے۔ اس کے نقشِ قدم پر چلا کیسے جا سکتا ہے اور اس کی آگہی سے استفادہ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟"

ہم سب نے چور نظروں سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور ہمیں پہلی دفعہ محسوس ہُوا کہ ہمارے درمیان کوئی صاحبِ حال موجُود ہے جس کا علم ہونا مُشکل ہے۔ میرے دل کے قطب نے اپنی سُوئی عابد، زاہد، نمازی، تہجد گزار عماد کی طرف پھیر دی اور مجھے وہاں سے سگنل کی ایک "ٹوئیٹ" مل بھی، لیکن مفتی نے پھر کہنا شروع کر دیا:

"سُنو بدنصیبو! صاحبِ حال کوئی رُوحانی آدمی نہیں ہوتا۔ نیک، نمازی، پرہیزگار۔ کوئی مذہبی پیشوا یا بھدر پُرش۔ نہ وہ فلسفی ہوتا ہے نہ معلّمِ اخلاق۔ نہ تو نازک نک چڑھا مُرشد ہوتا ہے۔ نہ اصول، قانون اور ضابطے کا پابند مولانا! اُس کے ہاں کوئی شے طے شُدہ نہیں ہوتی۔ وہ کسی ایک محور پر قائم نہیں ہوتا۔ اس کی سُوئی کسی جگہ اٹکی ہُوئی نہیں ہوتی۔ کبھی تو وہ اس بات کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے جسے اُس نے دھونس دھاندلی سے ہر ایک کو منوایا ہوتا ہے اور کبھی اس بات کو ماننا شروع کر دیتا ہے جس سے وہ عمر بھر منحرف رہا ہوتا ہے۔ صاحبِ حال ہماری تمہاری طرح سے کوئی مفید اور کارآمد شخص نہیں ہوتا۔ بس ایک شخص ہوتا ہے جو ہونے کے ناطے سے ہوتا چلا جاتا ہے۔"

عماد اور مسعود دونوں شک کی نظروں سے اعظمی کی طرف دیکھ رہے تھے اور مفتی کہہ رہا تھا:

"صاحبِ حال کی تعلیم میں ہر طرح کا کوڑا کرکٹ اور گند بھوس بھرا ہوتا ہے۔ اس کی تعلیم میں وہ دانش ہوتی ہے جو حادثہ ہو ختم ہو چکی ہو۔ ہر فانی اور بے بُنیاد اور گزراں شے ہی اُس کی دانش ہوتی ہے اور چونکہ وہ سچ کی نمائندگی نہیں کرتا۔ حق بات نہیں کہتا سچ کی تعلیم نہیں ٹھونستا، اس لیے اُس کا وجود ہر شخص کو آگہی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اس کو گل سمجھنے پر اکساتا ہے، اس کے اندر کا رولا مٹاتا ہے۔ اس کا وجود ہر اُس راستے کو جھٹلاتا ہے جس پر لوگ حق، حقیقت، اصول، آدرش اور نظریات کے جھنڈے لے کر چل رہے ہوتے ہیں۔"

پھر مفتی نے سر سے پاؤں تک لیڈر کو دیکھا اور تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ ہم سب نے بھی اسی طرح لیڈر کو دیکھا اور ہمارے اندر ایک نئی دریافت نے جنم لیا۔ مفتی بڑے بامعنی انداز میں ہنسا اور کہنے لگا:

"صاحبِ حال ایک راہزن ہوتا ہے، ایک لٹیرا، ایک ورغلاؤ چھلیا، مجذوب، دغاباز، باصفا مردِ حق آگاہ، سادھو، بھوندو، بُدھو، تجربات کا پنجوڑ، راست قدم ڈاکو، رحم دل قاتل، نوعمر شہزادہ، پنگھوڑے کا لال، ایک عابد، زاہد، جوگی، راہب، بھوکا، یاتری، بنجارا، دیوتا رُوپ، دیوتا سمان، ایسا دیوتا جو ہر گھڑی، ہر شے کی بے اختیاری، لاچاری اور بے اثری اور بے مقدوری کا الکھ جگاتا ہے اور تمہاری ناسمجھی پر روتا ہے کہ تم کل کیوں نہیں سمجھتے۔ آگہی کیوں نہیں حاصل کرتے۔ تم نے اس قدر دیکھا، اس قدر بھالا۔ ایسے ایسے مشاہدے کیے پھر بھی کورے کے کورے رہے۔ پھر بھی آگہی حاصل نہ کر سکے..... افسوس... صد افسوس... ہائے... ہائے... ہائے"

اس وقت میرے ساتھیوں اپنی سوالیہ نظروں سے مجھے گھیر لیا اور میرے اُوپر ایکس ریز پھینکنے لگے۔

مفتی نے ان کے عمل کو پہچان کر کہا:

"صاحبِ حال ہر کسی کا دل لُبھاتا ہے۔ ہر ایک کے نخرے اُٹھاتا ہے، ہر ایک کا رانجھا راضی کرتا ہے، لیکن پکڑائی نہیں دیتا۔ کسی کو ڈاہی نہیں دیتا۔ اور جو کسی کو پکڑائی نہ دے، ڈاہی نہ دے، وہی محبوب ہوتا ہے اور چونکہ صرف اس کو آگہی ہوتی ہے، اس لیے اس سے بڑا محبوب اور کون ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ وہ بہت ہی بڑا محبوب ہوتا ہے اس لیے کسی کو اس کے دیکھنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی اور چونکہ ذات کا سارا معاملہ خبر کا ہے اس لیے اس کے مشہور ہو جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ خلق کا سارا معاملہ راحت کا ہے، اس لیے وہ نظروں سے اوجھل ہی رہتا ہے، لیکن دوستو!" مفتی نے انگلی اُوپر اُٹھا کر اُونچی آواز میں کہا۔ "صاحبِ حال جب بھی تمہارے سامنے آئے گا، سلام کرنے سے پہلے مسکرائے گا ضرور! تم زندگی میں پہلی مرتبہ اس مسکراہٹ کا نوٹس لو گے۔ تمہیں یُوں لگے گا۔ جیسے پہلے کی سب چیزیں فنا ہو چکی ہیں۔ ہر شے مسمار ہو گئی ہے اور ایک نئی دُنیا جنم لے رہی ہے۔ ایک دُوسری دُنیا۔ نئی خوشبو اور نئے رنگ کی دُنیا۔ ایسی دُنیا جسے سمجھنے کے لیے ایک گرو، ایک ہادی، ایک صاحبِ حال کی ضرورت ہے۔ اشد ضرورت... اور چونکہ سارے معاملاتِ ضرورت بندھے ہیں

اس لیے ہمارا راستہ تاریک ہے۔ جہاں ضرورت ہے وہاں اندھیرا ہے۔ جہاں احتیاج ہے وہاں اندھیرا ہے اور جہاں تاریکی ہے وہاں آگہی نہیں اور جب آگہی نہیں، تو صورتِ حال واضح نہیں اور جب کوئی صورت نہیں تو حال کیا ہوتا ہے اور جب حال نہیں، تو صاحبِ حال کہاں سے ہو۔ صاحبِ حال نہ ہو تو اس سے ملاقات کس طرح سے ہو؟"

پھر مفتی نے بڑے تلخ لہجے میں کہا:

"خبردار! جو تم میں سے کسی نے صاحبِ حال کو بزرگ کہا یا صاحبِ کرامت، صاحبِ نظر، پیر، اولیا کہا... خبردار!"

پھر بڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی اور ہم سب کو اپنے درمیان کسی صاحبِ حال کی موجودگی کا یقین ہو گیا۔ ایک دوسرے کے چہروں کو جانچ کر اور اُس کے اندر کی گہرائیوں کو دیکھ کر ہم کو ایک اندازہ سا ہونے لگا تھا کہ "وہ" ہم میں سے کون ہے۔ ایک عجیب طرح کا کرب ہمارے درمیان پھیلا ہوا تھا جیسے دردِ زہ شروع ہونے سے پہلے خوفزدہ لڑکی آڑی چارپائی پر لیٹ گئی ہو اور اُس کی پسلیاں پھیل گئی ہوں۔ labour pain

ہم سب بے حس و حرکت خالی خولی زمین پر بیٹھے تھے اور ہمارے سامنے چھ سات قدم کے فاصلے پر کوہستانی ایک پتھر سے ٹیک لگائے جنگلی جھاڑیوں کے پتوں سے پٹاخے چلا رہا تھا۔ وہ جھاڑی سے ایک پتہ نوچتا، اُس کو اپنے بائیں ہاتھ کی کھڑی موٹھ پر رکھ کر اُوپر سے زور سے دوسرے ہاتھ کا دھپا مارتا۔ چٹاخ سے پتہ ٹوٹتا اور کھڑی مٹھی کے پاس سے گلگ کی چھوٹی سی آواز نکلتی۔ کوہستانی خوش ہوتا اور پھر ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ ہماری طرف دیکھتا۔

ہم سب ایک دوسرے کے اندر بہت گہرے اُتر کر ایک دوسرے کے اندھیروں میں یہ تلاش کر رہے تھے کہ ہم میں سے صاحبِ حال ہے کون؟ ہے ضرور لیکن پتہ نہیں چلتا۔ اور ہے بھی موجود، لیکن پکڑائی نہیں دے رہا... ڈاہی نہیں دے رہا... گرفت میں نہیں آ رہا...

لیکن ہے ضرور....